www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی : حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدّس اللّٰہُ سِرَّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سر پرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

اگست 2016ء / ذوقعدہ 1437ھ جلد نمبر 8 ، شمارہ نمبر 8 - قیمت :20روپے سالانہ ممبر شپ: 200 روپے - تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

فہرست مضامین

- اسلام اور آزادی
- حقیقی آزادی
- قوموں کی آزادی کے اوّلین نقیب
- حج کی حقیقت اور اس کے بنیادی اساسی اصول
- عملی تربیت کی اہمیت
- قانونی قرضے
- مجالس ؛ افاداتِ علم وحکمت
- اللہ تعالیٰ کو انسانیت بہت محبوب ہے
- انبیا علیہم السلام کی عقلیں تمام انسانوں سے بلند ہیں
- شعور وبصیرت، علومِ نبوت کے مطابق حاصل کرنا اہم فریضہ ہے
- انسانیت بنیاد ہے اور اس انسانیت کے لیے اسلام ہے
- خوش قسمت بچے
- اساتذہ کی عزت وتکریم
- قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ
- ادارہ رحیمیہ میں دورۂ تفسیر اور اجتماعِ رمضان کی ایک جھلک
- کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' کی اہمیت
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مغرب کے بعد (رائے پور) کی (ایک) مجلس میں آزادئ ہند کی مبارک بادی پر فرمایا کہ:

''اگرچہ مسلم لیگ نے ملک میں نفرت پھیلا کر آزادی کی مسرتوں کو گدلا کر دیا اور پھر ملک کے تقسیم ہو جانے سے جو فساد برپا ہے، وہ بھی دل کو دُکھا رہا ہے۔ آزادی میں ہم کیا خوشی محسوس کریں کہ مسلم قوم تو مذہب سے دور ہوگئی۔ علما کے خلاف چلی۔

اب آئندہ اوّل تو اس اِفتراق و اِنشقاق (تقسیم) کے باعث ہمیشہ جرمنی اور فرانس کی طرح لڑائیاں رہیں گی اور اگر ملک نے ترقی کی تو مادی ترقی تو ہوگی، مگر مذہب کے لیے تو اب کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔''

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن (رائے پوری) نے عرض کیا کہ: حضرت نے سچ فرمایا، مگر یہ تو اب مذہب کے سرپرست حضرات کو چاہیے کہ وہ مذہب کے قیام ودوام کے لیے کوئی کام کریں۔

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''اس کے لیے آدمیوں کی ضرورت ہے، مگر ذہین اور لائق عناصر دوسری (عصری) تعلیم میں چلے جانے کی وَجہ سے اب (دینی رہنمائی کے لیے ایسے) آدمی نہیں رہے۔''

(مجلس: 29/رمضان المبارک 1366ھ/ 17/اگست 1947ء۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:343۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

اسلام اور آزادی

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (30:1-4)

(الٓمّٓ۔ رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہوگئے اور وہ اس مغلوبیت کے بعد چند سال میں ہی غالب ہوجائیں گے۔ اس سے پہلے اور بعد اللہ ہی کا حکم نافذ ہوکر رہے گا۔ اس وقت مسلمان خوش ہوجائیں گے۔)

نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل مشرق و مغرب کی دو حکومتیں جس طرح اپنی سطوت و جبروت، طاقت و حکومت میں نہایت پُرشوکت سمجھی جاتی تھیں۔ اسی طرح ان دونوں کے درمیان عرصے سے آپس میں کشمکش جاری تھی اور دونوں ایک دوسرے کی طاقت کے فنا کردینے کے درپے تھیں۔

ان دونوں میں سے ایک روم کی وہ باجبروت حکومت تھی، جس کے زیر اقتدار نہ صرف یورپ تھا، بلکہ تمام شام اور عرب و عجم کے بھی بعض حصے آچکے تھے۔ قوانین و ضوابط اور نظامِ حکومت کے اعتبار سے روم کو وہ رتبۂ عالی حاصل تھا کہ یورپ کی موجودہ متمدن حکومتیں آج تک ''رومن لا'' کی اساس کو وحی الٰہی کی طرح سمجھتی ہیں اور اپنے قوانین کا جزو بنائے ہوئے ہیں۔

اسی طرح عجم و فارس کی حکومت بھی درفشِ کاویانی کے زیرسایہ اپنی وسعت و حدودِ مملکت کے اعتبار سے نہ صرف ایران پر قابض تھی، بلکہ ایک طرف ہندوستان کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی تو دوسری جانب عراقِ عجم سے بھی آگے تک اس کا دائرہ وسیع تھا۔

ہوسِ ملک گیری کی وہ آویزش جو اکثر دو طاقتوں کو لڑا کر پُرامن رعایا کی زندگی کو تباہ و برباد کردیا کرتی ہے۔ یہاں بھی کب اپنے نظریے کے خلاف کرسکتی ہے۔

(دنیا کی ان دو سپر طاقتوں کے زیرتسلط انسانیت غلامی کی زندگی بسر کررہی تھی۔ اس حالت میں رسول اللہ ﷺ نے قیصر و کسریٰ کو خطوط لکھے اور سوسائٹی کے پسے ہوئے طبقات، بالخصوص کاشت کاروں کو آزادی دلانے کے لیے بین الاقوامی جدوجہد کا اعلان کیا۔ چناں چہ قیصر روم کو لکھے جانے والے خط کے الفاظ یہ ہیں:)

''یہ خط محمد ﷺ کی جانب سے ہے جو کہ اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہے۔۔ سلامتی اس پر ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد! میں تجھ کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ امن و سلامتی کا نظام قبول کرلے، تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔۔ اور اگر تو نے انکار کیا تو تمام کاشت کاروں (پر ظلم کا) کا وبال تیری ہی گردن پر رہے گا۔'' (رواہ البخاری)

(اسی طرح کسریٰ ایران کے نام خط کے الفاظ یہ ہیں:)

''میں تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ جو لوگ آج موجود ہیں، انھیں (ظلم و ستم سے باز رکھنے کے لیے) ڈراؤں۔ امن و سلامتی کا نظام اسلام قبول کرلو تو تمھارے لیے سلامتی ہے۔ اور اگر تم اس سے انکار کرتے ہو تو تم پر تمام آتش پرست فارسیوں کی غلامی کا گناہ ہوگا۔'' (طبقات ابن سعد)

(بلاغ مبین۔ ص: 102، 113، 124)

درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

حقیقی آزادی

عن عبیداللّٰہ بن محصنؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم:

''مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِناً فِي سِرْبِهِ، مُعَافِي جَسَدِهِ، عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا.'' (سنن الترمذی، حدیث نمبر 2346)

(حضرت عبیداللہ بن محصنؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جس نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اپنے خاندان میں امن و امان سے ہو۔ اسے جسمانی صحت حاصل ہو۔ اور اس کے پاس دن بھر کی معاشی ضرورت کی اشیا موجود ہوں۔ تو گویا کہ اس کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوگئیں۔'')

اس حدیث میں انسانی زندگی کی دنیاوی ترقی کے تین بنیادی اساسی اُمور بیان کیے گئے ہیں۔ ہر آزاد اور حریت پسند قوم کی شناخت یہ تین اُمور ہیں: 1۔ امن و امان پر مشتمل سیاسی نظام، 2۔ جسمانی صحت اور امراض سے بچاؤ کا نظام، 3۔ معاشی فلاح و بہبود کا اقتصادی نظام۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی فرد اور قوم کی جان، مال، عزت و آبرو محفوظ ہو اور روزگار کے مواقع سے مطمئن، اس کی صحت کے دوام کے اسباب تسلی بخش اور ہر قسم کے ظلم و ستم سے مامون ہو تو یہ شخص اور قوم خوش بخت اور حقیقی آزادی کی حامل کہلانے کی حق دار ہے۔ اسے اپنی اس حالت پر خدا کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ بہ صورتِ دیگر خود کو آزاد تصور کرنا، خلافِ حقیقت اور خوش فہمی پر مبنی ہے۔

اس حدیث سے یہ بات عیاں ہے کہ اگر کسی قوم میں امن و امان کی صورتِ حال دگرگوں ہو، انسانوں کی جسمانی صحت کو خطرات لاحق ہوں اور معاشی وسائل کی کمی سے بھوک و افلاس کی حالت ہو تو وہ دنیاوی ذلت اور رُسوائی کی حالت میں ہوتی ہے۔ ایسے حالات آزاد قوموں کے نہیں ہوتے، بلکہ ایسی قومیں ذلت اور غلامی کی حالت میں مبتلا ہوتی ہیں۔ انھیں آزادی کے زُعم میں مبتلا ہونے کی بجائے آزاد اقوام کے حالات کا بہ غور جائزہ لینا چاہیے۔ اور اپنے معاشرتی، تمدنی، معاشی، سیاسی اور امن و امان کے مسائل کو درست کرنا چاہیے۔

اس حدیث کی روشنی میں جب ہم آج اپنے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو زندگی کے ہر پہلو کے لحاظ سے خوف و دہشت کی فضا میں جی رہے ہیں۔ ہمارے تعلیمی ادارے اور عبادت گاہیں تک غیر محفوظ تصور کی جاتی ہیں۔ جسمانی صحت کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ صحت کے مراکز پر ہماری متقدرہ خود عدمِ اعتماد کا برملا اظہار کرتے ہوئے اپنا علاج بیرونِ ملک سے کرانے کو ترجیح دیتی ہے۔ معاشی نقطۂ نگاہ سے جائزہ لیں تو صورتِ حال مزید گھمبیر ہے۔ 40 فی صد سے زائد لوگ خطِ افلاس سے بھی نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ جب کہ 80 فی صد تک کی آبادی بنیادی ضروریات کی فراہمی میں پریشانی کا شکار ہے۔ ان حالات میں ہمیں یومِ آزادی، یومِ احتساب کے طور پر منانے کی ضرورت ہے۔

www.rahimia.org

اداریہ

قوموں کی آزادی کے اوّلین نقیب

رواں ماہ یعنی اگست کے مہینے میں ہمارے ہاں آزادی اور غلامی کے تصورات زیر بحث آتے ہیں۔ ہمارے اہل قلم، دانش ور، سیاسی و مذہبی قیادتیں اور حکمران اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس پر گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ اتنا ہی سچ بولا جاتا ہے، جس سے ان حلقوں کے مفادات متاثر نہ ہوں۔ گزشتہ پون صدی سے آزادی و غلامی کے حوالے سے ان حلقوں نے فکر و خیال کے جو تصورات قائم کر لیے ہیں، خواہ وہ سچائی سے کتنے ہی متصادم کیوں نہ ہوں، انھیں ہی کی تکرار کی جاتی ہے۔ آزادی کا حقیقی تصور اور غلامی کی وہ تاریک تاریخ، جس کے ساجھے دار قوم کی قیادت پر فائز طبقات بھی رہے ہیں، اس کے درست اَحوال اور حقائق سے قوم کو شعوری طور پر بے خبر رکھا جاتا ہے۔ تاکہ قوم موجودہ مسائل کے حقیقی اسباب کے تناظر میں جائزہ لے کر اس ناکامی اور تنزل کے حقیقی ذمہ داروں کا تعین نہ کر سکے۔ اس لیے سب ہی حلقے تاریخ کے حوالے سے اپنے اپنے مطلب کی کہانیاں سنا کر اس اہم موقع کو کچھ سیکھے اور سکھائے بغیر گزار دیتے ہیں۔

اس حوالے سے سب سے پہلے قرآن حکیم میں انبیا علیہم السلام کے کردار کو ہمارے لیے لائق نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں انبیاؑ کی جدوجہد کا تفصیلی تذکرہ اس لیے ہے کہ ہم آزادی کی قدر و منزلت کو جانتے ہوئے غلامی کے بُرے اثرات کا تحلیل و تجزیہ کریں۔ اس طرح کسی بھی خطے اور قوم کی تحریکاتِ آزادی کو حقیقی معیارات پر جانچ پرکھ کر اپنے گردوپیش میں آزادی و حریت کی جدوجہد میں شریک ہو سکیں۔ نیز قوم و ملک کی آزادی اور ترقی کی دعوے دار جماعتوں کو حقیقی معیار پر پرکھ کر اپنے عہد میں اپنے لیے صحیح اور درست راہِ عمل کا انتخاب کر سکیں۔

انسانی تاریخ میں انبیائے کرامؑ آزادی و حریت کے سب سے پہلے نقیب تھے، جن کے پاس قیادت و رہنمائی کا الٰہی پروانہ موجود تھا۔ اپنے دور کے حالات میں ان کے کردار اور فکر و عمل سے رہنمائی لینا نہ صرف وقت کا تقاضا ہے، بلکہ منشائے خداوندی اور رضائے الٰہی کے حصول کا یقینی ذریعہ بھی ہے۔ انبیا علیہم السلام نے اپنے عہد کے نظامِ ظلم، معاشی استحصال اور سیاسی جبر کی نفی کی ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے کی ظالم قیادتوں — جنھیں قرآن حکیم نے مَلَاء اور مُتْرَف کے عنوان سے تعبیر کیا ہے — کے خلاف بھرپور جدوجہد کی ہے۔ انبیا علیہم السلام اپنے دور کے ظالم بادشاہوں اور سرداروں کے مقابلے میں مظلوم عوام کے ساتھ کھڑے رہے۔ گویا انھوں نے اپنے زمانے کے ہر طرح کے ظلم، جبر اور غلامی سے نجات اور آزادی کے نظریے کو حیاتِ نو دی۔

انسانی تاریخ میں تحریکاتِ آزادی و حریت نے انبیاؑ کے فکر سے ہی نشوونما پائی ہے۔ انبیاؑ کے فکر نے انسانی آزادیوں کے تصورات کو جلا بخشی اور مظلوم قوموں کے اذہان و قلوب کو منور کرتے ہوئے ان میں اپنے دور کے ظالم نظاموں کے خلاف جرأت و بہادری پیدا کی۔ قرآن حکیم نے انسانی آزادیوں کے تحفظ اور جبر و استحصال کے خلاف انبیاؑ کی جدوجہد کے جو نقوش ہمارے سامنے واضح کیے ہیں، وہ رہتی دنیا تک ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے۔ ہر نبیؑ کی زندگی کے ایک خاص مشن نے انسانی معاشروں میں اپنے حقوق کی جدوجہد کا شعور بخشا۔ جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام کی اپنی قومِ عاد کے ظالم اور جابر طبقے کے خلاف جدوجہد۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اپنی قومِ ثمود کی بت پرستی اور وسائلِ دولت؛ چراگاہوں، پانی کے چشموں وغیرہ پر قابض طبقوں کے معاشی جبر، مال و دولت پر گھمنڈ اور تکبر کے خلاف جدوجہد۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نظریۂ توحید، جو تمام آزادیوں کا بنیادی فکر ہے، بت پرستی اور طبقاتی تقسیم کے نظام کے خلاف آواز اٹھانا اور نمرود کے جبر اور آمریت کے خلاف جدوجہد کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی معاشی منصوبہ بندی اور قوم کو قحط سے نجات دلانا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کے اس طبقے کے خلاف جدوجہد کرنا، جس کے مال و دولت کی فراوانی اور خوش حالی کے پیچھے ناپ تول میں کمی، معاملات میں کھوٹ اور خیانت، لوٹ مار اور کمزور طبقوں کا مالی استحصال تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طبقاتی سیاست، قارون کی سرمایہ دارانہ چالوں کے مقابلے پر بنی اسرائیل کی آزادی کی بے مثال جدوجہد۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور طالوت نے جالوت جیسے ظالم و جابر حکمران کی طاغوتی طاقت کا بڑی جرأت و بہادری سے مقابلہ کیا اور حکمت و دانش سے اپنی قوم کو غلام بنائے جانے کی سازشوں کا توڑ کرتے ہوئے ان کی آزادی و حریت کی حفاظت کی۔

پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انسانی عزت و توقیر اور آزادی کی حفاظت اور ظلم و جبر کے خلاف جدوجہد کی جو مثال قائم کی ہے، اسے تو کُل انسانیت کے لیے اُسوۂ حسنہ یعنی جدوجہد اور فکر و عمل کا بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ آپؐ نے دین اسلام کے مکمل سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کی صورت میں انسانیت کی ترقی کا ایسا دستورُ العمل عطا کر دیا ہے، جسے کسی بھی زمانے اور خطے کے انسان اپنا کر انسانیت کی آزادی کو محفوظ بناتے ہوئے ترقی کے راستے پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

آج کا ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارا فکری منہج فرقہ وارانہ ہے۔ ہمارے مذہبی، سیاسی اور دانش ور حلقے اپنے اپنے دائروں میں بدترین فرقہ وارانہ نوعیّتوں کا شکار ہیں۔ اس طرح وہ قرآن حکیم اور انبیاؑ کے اس انسان دوست بنیادی اور حقیقی فکر سے کٹ چکے ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اپنے ایک تجزیے میں فرماتے ہیں کہ: ''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دُنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: 1۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑنا۔ 2۔ دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔''

لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس آزادی کے یادگاری موقع پر آزادی و حریت کے بنیادی فکر و عمل کی رہنما کتاب قرآن حکیم اور قومی آزادیوں کے اوّلیں نقیب انبیا علیہم السلام کی عملی جدوجہد سے بنیادی رہنمائی لیں۔ تاکہ ٹکڑوں میں بٹی قوم حقیقی آزادی کے بنیادی نظریے پر جمع ہو جائے۔ اس طرح آج کے دور کے غلامی کے نظاموں کا مقابلہ کر کے اپنی ناکامیوں کا مداوا کر سکے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

افکارِ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

حج کی حقیقت اور اس کے بنیادی اساسی اصول

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

{حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت ہیں۔ انھوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں بلند پایہ افکارِ عالیہ قلم بند کیے۔ یوں دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اللہ کی حجت و برہان کو بڑے واضح دلائل کے ساتھ بیان فرمایا۔ اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ نیز شریعت و طریقت کی رہنمائی پر مبنی جامع تعلیمات ہیں۔ مترجم}

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّة اللّٰه البالغه" میں تحریر فرماتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ حج کی حقیقت یہ ہے کہ:

1۔ ایک خاص وقت اور زمانے (یعنی عرفہ کے دن) میں نیک لوگوں کا ایک عظیم اجتماع ہے۔ جس میں (انسانی سوسائٹی کے کامیاب اور) انعام یافتہ لوگوں، یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے حالاتِ زندگی کو یاد کیا جاتا ہے۔

2۔ یہ اجتماع ایسے مقام (بیت اللہ الحرام) پر ہوتا ہے کہ جہاں (ابراہیمی تحریک کے آغاز اور غلبے کی تاریخ کے) سنگ ہائے میل اور واضح علامات موجود ہیں۔ اس مقام پر ائمہ دین کی تمام جماعتوں نے اس طرح پر جمع ہونے کا ہمیشہ ارادہ کیا ہے کہ اللہ کے شعائر کی تعظیم کی جائے۔ اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر دعائیں مانگی ہیں۔ وہ حضرات اللہ کی جانب سے خیر اور بھلائی کے اُمیدوار رہے ہیں۔ ان کاموں میں اپنی رغبت کا اظہار کیا ہے۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کی اُمید رکھی ہے۔

اس لیے جب اس بہترین کیفیت کے ساتھ انسانی ہمتیں (میدانِ عرفات میں) ایک جگہ جمع ہوتی ہیں، تو اللہ کی رحمت و مغفرت ضرور نازل ہوتی ہے۔ اور یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ظاہر ہوتی ہے: "شیطان کو کسی دن اتنا ذلیل، اتنا رُسوا، اتنا حقیر اور اتنا غصے کی حالت میں نہیں دیکھا گیا، جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس دن وہ اللہ کی رحمت کے نازل ہونے اور لوگوں کے بڑے بڑے گناہوں کے معاف کیے جانے کو دیکھتا ہے۔ سوائے بدر کے دن کے، کہ اس دن شیطان بہت زیادہ ذلیل دیکھا گیا۔"

حضورؐ سے سوال کیا گیا کہ بدر کے دن شیطان نے کیا دیکھا تھا؟ تو آپؐ نے فرمایا "اُس دن اُس نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا کہ وہ فرشتوں کی صفوں کو جنگ کے لیے منظم اور مرتب کر رہے ہیں۔" (مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر 2600)

حج کے بنیادی اُمور ہر قوم میں موجود رہے ہیں۔ ہر قوم میں ایک ایسا متبرک مقام ہوتا ہے کہ جس میں:

(الف) اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیاں ظاہر ہو چکی ہوتی ہیں۔

(ب) قومِ اللہ کی قربت کے لیے اس مقام پر قربانی پیش کرتی رہی ہے۔

(ج) ان مقامات پر ہر قوم کی گزشتہ بزرگوں سے نقل شدہ سیرت و کردار کی ایسی عملی صورتیں موجود ہوتی ہیں، جنھیں وہ اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ تاکہ وہ ان مقامات پر اللہ کے مقرب بندوں کے پاکیزہ حالات و واقعات کو یاد کریں۔

(بیت اللہ الحرام کی اہمیت:) دنیا بھر کے تمام مقامات میں سے بیت اللہ الحرام ایک ایسا مقام ہے، جو (ان مذکورہ بالا مقاصد کے حوالے سے) یہ اہمیت رکھتا ہے کہ حج کے ارادے سے اس کی جانب سفر کیا جائے۔ اس لیے کہ اس جگہ پر (دین حنیفی کے آغاز اور غلبے کے اظہار) کی بڑی واضح نشانیاں اور علامات موجود ہیں:

(الف) یہ وہ گھر ہے، جسے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی کے بعد تعمیر کیا تھا۔ جب کہ ان سے پہلے یہ جگہ ویران اور بنجر پڑی تھی۔

(ب) حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ شخصیت ہیں، جن کے بارے اکثر اقوام کی زبانوں پر انسانی بھلائی اور خیر خواہی کی گواہی موجود ہے۔

(ج) حضرت ابراہیمؑ کے بیت اللہ تعمیر کرنے کے بعد حج کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا مقام ایسا نہیں تھا کہ جو شرک یا بے اصل و من گھڑت باتوں سے خالی ہو۔

(حج کے ذریعے انسانیت کے درج ذیل بنیادی اَخلاق کی تہذیب کی جاتی ہے:)

(1۔ طہارتِ نفس:) حج سے انسانی نفس کی طہارت اور پاکیزگی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس لیے کہ حج ایک ایسے مقام پر کیا جاتا ہے، جس کی تعظیم اور بزرگی ہمیشہ سے نیک لوگوں کے دلوں میں رہی ہے۔ وہ اس مقصد کے لیے وہاں آتے رہے ہیں اور اللہ کے ذکر سے اُس جگہ کو آباد کرتے رہے ہیں۔ یہ مقام ملاءِ سافل کے فرشتوں کی ہمتوں کو کھینچنے اور ان سے نفع اُٹھانے کا باعث بنتا ہے۔ نیز بھلائی کے کام کرنے والوں کے لیے ملاءِ اعلیٰ کی جامع دعاؤں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔

جب کوئی آدمی اس مقام پر آتا ہے، تو ان لوگوں کی پاکیزہ زندگی کا رنگ اُس کے نفس پر غالب آجاتا ہے۔ میں نے اپنی کھلی آنکھوں سے اس کا کئی بار مشاہدہ کیا ہے۔

(2۔ اِخبات اِلی اللہ کا جذبہ:) (حج میں) اللہ کے شعائر کو دیکھنے اور اُن کی عظمت اپنے دلوں میں پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُس کی جانب اخبات (توجہ) کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس لیے کہ شعائر اللہ کو دیکھنے اور اس کی عظمت سے اللہ یاد آتا ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ خاص طور پر جب انسان اپنی وضع قطع اور شکل و صورت کو پُروقار اور پُرعظمت حالت کے مطابق بناتا ہے اور اپنے آپ کو نظم و نسق کے مطابق چند قواعد و ضوابط کا پابند بناتا ہے تو اس کے ذریعے سے انسانی نفس میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا بہت بڑا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

(3۔ ساختِ نفس کی حالت:) بسا اوقات انسانی نفس میں (پست حالت سے نکل کر بلند حالت کا رُخ کرتے ہوئے) اپنے ربّ کی طرف بہت زیادہ شوق، محبت اور عشق پیدا ہوتا ہے۔ اس شوق و محبت اور عشق کے اظہار کا سب سے بہترین طریقہ حج ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ (بقیہ: صفحہ 11 پر)

www.rahimia.org

عملی تربیت کی اہمیت

ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ، لاہور

تعلیم و تربیت اسی صورت نتیجہ خیز ہوتی ہے اگر طالبِ علم میں گردوپیش کے حقائق کا جائزہ لینے، تجزیہ کرنے اور حکمتِ عملی تشکیل دینے کی استعداد پیدا ہو سکے۔ محض کتابی علم رومانویت اور آئیڈیل ازم پر مبنی رویے پیدا کرتا ہے۔ عملی حقائق سے بے بہرہ ذہن محض علمی اور خیالی بنیادوں پر اقدامات تجویز کرتا ہے۔ ایسی کسی بھی حکمتِ عملی کا نتیجہ گردوپیش اور معروضی حالات سے مزید بے اعتنائی اور رجعت پسندی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

چناں چہ آزاد اقوام کی درس گاہیں تربیت کے اس پہلو کو خصوصیت کے ساتھ پیشِ نظر رکھتی ہیں کہ ہر طالبِ علم کی تخلیقی صلاحیتوں کو کیسے ابھارا جائے اور انھیں معروضیت سے کیسے ہم کنار کیا جائے۔ انھیں ٹاسکس دیے جاتے ہیں اور یہ اہلیت بیدار کی جاتی ہے کہ وہ مسائل کا ادراک کرتے ہوئے ان کے دباؤ کا شکار ہونے اور مایوسی میں گھر جانے کی بجائے، حل کی کوئی راہ تلاش کریں اور بہتر منصوبہ بندی کے ذریعے عملی جدوجہد کو اختیار کریں۔ اسی پہلو سے اگر خانقاہی نظامِ تربیت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ سراسر عملیّت پسندی کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔ ہر دائرۂ زندگی کے حقائق پر غور و خوض، مسئلے کی جڑ تلاش کرتے ہوئے اس کو بنیاد سے ہی درست کرنے کی کاوش اور جدوجہد کرنے کی تربیت اس نظام کی اہم خصوصیات ہیں۔

اس نظامِ تربیت میں محض خواہشات، آرزوؤں اور تمناؤں کا پیچھا کرنے سے روکا جاتا ہے۔ سطحی خیالات و افکار سے متاثر ہو کر عمل یا ردِّعمل کا شکار ہونے کی نفی کی جاتی ہے۔ عمل کو شعوری بنیادوں پر اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور اس ضمن میں جرأت و استقامت کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے۔ چناں چہ ایک طالبِ علم میں حقائق کے مکمل ادراک اور درست تجزیے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور وہ معاشرتی مسائل کے ٹھوس اور نتیجہ خیز حل کی جانب آگے بڑھتا ہے۔ عملی تربیت کی اسی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں: ''ہر شخص اچھے اعمال کے باعث ہی کسی مقام تک پہنچتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فیض کا بھی نزول ہوتا ہے، لیکن جدوجہد خود کرنی ضروری ہے۔'' اسی طرح سے ایک مرتبہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے علما کا ایک وفد ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور نصیحت کی درخواست کی تو انھوں نے صرف اتنا فرمایا: ''بھئی! جو پڑھا ہوا ہے، اس پر عمل کرو۔''

سامراجی تعلیمی نظام کے نتیجے میں آج نوجوان محض خواہشات کا اسیر ہے۔ اس میں عملی تربیت سرے سے مفقود، معلومات کے عملی طور پر انطباق کی صلاحیت نہ ہونے کے برابر اور اس کی منصوبہ بندی محض تخیلات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ہماری اشرافیہ بھی محض خیالات اور خواہشات کی بنیاد پر آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اجتماعی منصوبوں کے نتائج محض کاغذوں تک محدود ہوتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ اجتماعی زوال ہے، جس سے نکلنے کی صورت محض یہی ہو سکتی ہے کہ نوجوان نسل کی شعوری و عملی تربیت کو یقینی بنایا جائے۔

قانونی قرضے

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

گزشتہ دنوں وزیرِ خزانہ اسحاق ڈار نے یکے بعد دیگرے دو بیانات دیے ہیں: ایک قرضوں کی بابت گزشتہ حکومتوں سے پوچھا جائے۔ ہم نے تو قرضوں کی ادائیگی کے لیے مزید قرضے لیے ہیں اور دوسرا تاریخ میں پہلی بار اَہداف کے مطابق ٹیکس وصول کیے گئے ہیں۔ ایک آسان سا سوال ہے کہ اگر وصولیوں کے اہداف پورے ہو گئے ہیں تو مزید قرض کیوں لیا جا رہا ہے؟ یہاں دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک جاری شدہ اعداد و شمار میں ضروری ردّوبدل کیا گیا ہے، یا یہ قرض لینا سالانہ بجٹ کا ہدف تھا، جو دورانِ سال لینا ضروری تھا۔ 16-2015ء کے بجٹ کے مطابق 7.3 کھرب روپوں کا قرض اندرونی و بیرونی ذرائع سے حاصل کیا جانا تھا، لیکن وزیرِ خزانہ کے مطابق گزشتہ حکومتوں کی نااہلی کی وجہ سے اسی سال کے دوران پاکستان پر کُل اندرونی و بیرونی قرض 192 کھرب روپوں تک جا پہنچا۔ جو کہ گزشتہ سال کے مقابلے میں قریباً 22 کھرب روپے زیادہ ہے۔ گویا بجٹ کی منظوری سے باہر قرض لیے گئے۔

وجہ کیا تھی؟ ڈالر کے ذخیرے کو تاریخی سطح پر لے کر آنا اور اپنے کرم فرماؤں اور قریبی ساتھیوں اور رشتے داروں سے 50 کروڑ ڈالر کی صورت میں دنیا کا مہنگا ترین قرض لینا اور پاکستان کے عوام کو معاہدات کے تحت دس سال تک جکڑ دینا۔ وزیرِ خزانہ کے مطابق موجودہ حکومت نے اپنے دور کے دوران کُل 15.23 ارب ڈالر کے قرضے لیے، جن میں سے 10 ارب ڈالر پہلے قرضوں کی ادائیگی کے لیے ادا کر دیے گئے اور باقی 5.2 ارب ڈالر دراصل حکومت نے استعمال کیے۔

عجیب بات ہے کہ یہ حکومتیں جمہوریت کا دم بھی بھرتی ہیں اور گزشتہ حکومتوں کی غلطیوں کا ذمہ نہیں لیتیں اور اپنے تجربے کی ڈینگیں مارنے سے بھی نہیں تھکتیں اور عوام کو کہتی ہیں کہ اب اسے بھگتنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یعنی موجودہ حکومت نے جو نیا قرض لیا ہے، اُس کا نتیجہ تو عوام نے تین سال بعد بھگتنا ہے، جب انھی جیسی تجربہ کار ٹیم موجود ہو گی اور یہی الفاظ دہرا کے کہے گی کہ برداشت کریں! کیوں کہ یہ پچھلوں نے کیا تھا۔ تو اس کا انجام کیا ہو گا۔ پاکستان 2013ء سے یونان جیسی صورتِ حال سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن اس قرضوں کے عالمی نظام کے شکنجے سے نکلنے کے بجائے پھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس وقت حال یہ ہے کہ کُل قومی پیداوار کا 61.8 فی صد کے برابر قرض لیا جا چکا ہے اور ایک صحافی کے سوال پر وزیرِ خزانہ صاحب نے کہا کہ: ''پہلے یہ 62 فی صد تھا، ہم نے اسے کم کیا ہے اور ہم جلد ہی بل لائیں گے اور پارلیمنٹ سے اس کی منظوری حاصل کر لیں گے۔'' وزیرِ خزانہ صاحب کو پتا ہے کہ پارلیمنٹ میں کسی کو اتنی عقل ہو گی تو وہ سوال کرے گا۔ اس لیے کام کر لو اور اُسے بعد میں منظور کروا لیا جائے تو کوئی بُرا نہیں۔ اس سال ستمبر تک پاکستانی عوام نے آئی ایم ایف کو 8.3 ارب ڈالر واپس کرنے ہیں۔ اُس وقت یہ تاریخی ذخائر ڈالر کے کہاں جائیں گے اور روپیہ گر کر کہاں جائے گا؟ میرا خیال ہے یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے، کیوں کہ پارلیمنٹ اسے بعد از عمل درآمد منظور کر دے گی اور سب قانونی اور ٹھیک ہو جائے گا۔ اور عوام کو ہم کہہ دیں گے کہ یہ عوامی حکومتوں کا فیصلہ ہے، جو جمہوریت اور مروّجہ قانون کے عین مطابق ہوا ہے۔

www.rahimia.org

مجالس؛ افاداتِ علم وحکمت

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے قیام سے ہی یہ روایت موجود رہی ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ احباب کی استفادہ نشست ہوتی ہے۔ ان افادات کو شائع کرکے ہم ماہ نامہ رحیمیہ کے تمام قارئین کو اس استفادہ نشست میں شامل کر رہے ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ادارہ کو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ (مدیر)

مجلس: 15/جولائی 2016ء - مقام: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور

سوال: آج کل جامعات میں اسلام کا دوسرے مذاہب سے تقابل کرایا جاتا ہے۔ اس سے ایسا تأثر سامنے آتا ہے کہ شاید اسلام بھی دیگر مذاہب کی طرح صرف مذہبی رسومات کا مجموعہ ہے اور قوموں کے سیاسی اور سماجی مسائل سے آگہی نہیں رکھتا۔

حضرت اقدس: پہلی بات تو یہ سمجھنی چاہیے کہ اسلام ایک دِین ہے، ریلیجن نہیں ہے، جس کا ترجمہ مذہب کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا دیگر ریلیجنز کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کرنا درست نہیں ہے۔ اسلام ایک نظامِ حیات اور مکمل دِین ہے۔ اس کا جامع ترین عنوان ''دین اسلام'' ہے۔ ارشادِ ربانی: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (3:19) (بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔) میں اسلام کو دین کہا گیا ہے۔

دِین کا مطلب جزا و سزا کا ایک ایسا نظام ہے، جس میں انسانی اعمال کے نتائج دنیا اور آخرت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا کے ہر نظامِ حکومت میں انسانوں کو کچھ اعمال کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، جب کہ کچھ اعمال سے روکا جاتا ہے۔ ان ہدایات کے مطابق اعمال کے کرنے یا نہ کرنے پر جزا و سزا رکھی جاتی ہے۔ اس لفظ کے مفہوم میں حکومتی اتھارٹی داخل ہے۔ لفظ ''دِین'' میں یہی مفہوم مکمل طور پر پایا جاتا ہے۔ عربی لغت کی روشنی میں دال، ی، نون؛ ان تین حروف پر مشتمل مادۂ فعل جہاں بھی پایا جاتا ہے، وہاں اعمال اور اس کے بدلے کا تصور ضرور پایا جاتا ہے۔ عربی میں ''دَیــن'' قرض کو کہتے ہیں۔ اس میں بھی قرض دار قرض خواہ سے پہلے مال وصول کرتا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد اس کے بدلے میں اتنا ہی مال واپس کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اسی طرح ''دِیــــن'' کے مفہوم میں بھی کسی حکومتی اتھارٹی کی طرف سے انسانوں کو اعمال کا پابند بنایا جاتا ہے اور پھر اُس کے بدلے میں جزا و سزا دی جاتی ہے۔ چناں چہ عربی میں لفظِ دَیّــان کا معنی فیصلہ کرنے والا قاضی اور حکمران ہے۔ اسی حوالے سے یہ اللہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اسی طرح لغت میں ہے: ''دَیَّنتُــهُ القوم أی وَلّیتُـهُ سیـــاستَهم'' یعنی ''میں نے اُس کو قوم کی سیاست کی ذمہ داری سپرد کر دی۔'' اسی حکومتی نظام کی وجہ سے کسی شہر کو ''مدینہ'' کہا جاتا ہے۔

دِین تمام نظام ہائے حکومتوں پر بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ نظام الٰہی کی تعلیمات کی روشنی میں وجود میں لائے گئے ہوں یا طبیعیاتی اور مادی تقاضوں کی بنیاد پر قائم کیے گئے ہوں۔ اس لیے قرآن حکیم میں یہ لفظ جہاں اسلام کے نظام کے لیے بولا گیا ہے، وہاں نظامِ کفر کے لیے بھی استعمال ہوا ہے: لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ (109:6) (تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین اور میرا نظام) اسی لیے سرمایہ داری نظام کو ''دِینُ الرّأسمالیہ'' کہا جاتا ہے، جب کہ سوشلسٹ نظام کو ''دِینُ الاشتراکیہ'' کہتے ہیں۔

اب لفظِ "Religion"، جس کا ترجمہ عام طور پر ''مذہب'' کیا جاتا ہے، کی حقیقت جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لفظ کا مطلب یورپ کی قدیم انگریزی لغات کے مطابق ''اس مادی دنیا کے نظام میں اعلیٰ روحانی قوتوں کی بنیاد پر کی جانے والی سپر نیچرل مداخلت کو رِیــلیــجــن کہا جاتا تھا۔'' گویا کہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ روحانی بنیادوں پر مادی زندگی پر جو قدغنیں اور رُکاوٹیں لگائی جاتی ہیں، ان کی تعبیر ریلیجن کے طور پر کی جاتی تھی۔ اس طرح مادہ پرستوں کے نزدیک اس لفظ کا مفہوم منفی معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ ان کے نزدیک اس ظاہری اور مادی دنیا میں کسی اَن دیکھی قوت کی مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔ گویا کہ اس لفظ کے پیچھے الٰہی ادیان کے حوالے سے رجعت پسندی کے منفی تصورات صاف طور پر سامنے آتے ہیں۔ یہ منفی تصورات یورپ میں اس لیے سامنے آئے کہ وہاں کی رجعت پسند مذہبی عیسائیت نے انسانوں کے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل حل کرنے کے لیے سوائے روحانی قدغنیں لگانے کے اَور کوئی کام نہیں کیا۔ انھوں نے روحانی بنیادوں پر ایسی مذہبی قدغنوں کا استعمال کر کے ظالم بادشاہوں اور حکمرانوں کی خدمات سرانجام دیں۔ عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا گیا۔ اس طرح وہاں کا ریلیجن اور مذہب، شدت پسندی، عقلی اور مادی حقائق کو تسلیم نہ کرنے، سیاسی آمریت اور معاشی استحصال کا مجموعہ بن گیا۔ ان تمام منفی رویوں کے لیے غلط طور پر روحانی اقدار کے استعمال نے ان منفی تصورات کو جنم دیا۔ اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ یورپ نے ریلیجن اور مذہب کا جو منفی تصور قائم کیا، وہ وہاں کے رجعت پسند مذہبی طبقات کی وجہ سے ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظِ ریلیجن کا دین اسلام کے حوالے سے استعمال دین اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اس کے عقلی اور شعوری نظام کے بنیادی حقائق سے متصادم ہے۔ اس لیے کہ دین اسلام نہ صرف انسانی زندگی کے بنیادی حقائق کو سامنے رکھتا ہے، بلکہ عقلی اور شعوری بنیادوں پر انسانی سوسائٹی کے لیے بہترین سیاسی، سماجی، معاشی نظام قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ انسانی مسائل کے حل کرنے کا ایک باقاعدہ اور مکمل نظام دیتا ہے۔ اس لیے اسلام کو محض ایک ایسا مذہب قرار دینا، جو سوسائٹی کے بنیادی حقائق سے متصادم رویوں پر مشتمل دیگر مذاہب اور ریلیجنز کی طرح ہو، درست نہیں۔

اس تناظر میں دین اسلام کا عیسائیت، یہودیت، ہندومت، کنفوشس اِزم، آتش پرست وغیرہ وغیرہ مذاہب' جن میں انسانی سوسائٹی کے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل حل کرنے کا کوئی نظام نہیں ہے، کے ساتھ تقابل پیش کرنا سرے سے ہی غلط ہے۔ تقابل ادیان کا مضمون غلامی کے ادوار کے زمانے کی یادگار ہے، جس میں شعوری یا غیرشعوری طور پر اسلام کو ایسے فرسودہ مذاہب کی صف میں داخل کر دیا جاتا ہے، جو یورپ کی نظر میں منفی روحانی قدغنوں پر مشتمل ریلیجنز ہیں۔ اسلام کے مکمل نظامِ حیات کا تقابل اس دور کے مادی نظاموں کے ساتھ کیا جانا چاہیے، تاکہ اسلام کی بنیادی سماجی اقدار، اُس کا پُرامن سیاسی نظام اور معاشی خوش حالی پر مبنی اقتصادی نظام کی حقانیت دیگر نظام ہائے حیات کے مقابلے میں واضح طور پر سامنے آئے۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے 15/ جولائی 2016ء کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں نمازِ جمعۃ المبارک کے شرکا سے خطاب فرمایا، جس کے چند اہم اقتباسات درجِ ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کو انسانیت بہت محبوب ہے

''معزز دوستو! دین اسلام جامع اور مکمل نظامِ حیات پیش کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو انسانیت بہت محبوب ہے۔ دنیا و آخرت میں انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے اللہ ربّ العزت نے دنیا میں انبیا علیہم السلام کو مبعوث کیا اور ان کے قلوبِ مطہرہ پر اپنی مقدس کتابیں نازل کی ہیں۔ تمام انبیاؑ اس لیے بھیجے گئے، ان پر تمام کتابیں اس لیے نازل کی گئیں کہ ان کے ذریعے سے انسانیت عدل و انصاف پر قائم ہوجائے۔ انسانیت کی اجتماعی کامیابی اور فرد کی انفرادی کامیابی تبھی ممکن ہے کہ جب انسانیت کی ترقی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو پیغامِ ہدایت دیا ہے، جو طریقۂ کار وضع کیا ہے، اسے بروئے عمل لایا جائے۔ انسانیت میں دو کمزوریاں تھیں، ان دونوں کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی ترقی کا یہ اعلیٰ پروگرام انبیا کے ذریعے سے بھیجا ہے۔ قرآن حکیم نے انسانیت کی انھی دو کمزوریوں کا تذکرہ کیا ہے:

ایک تو یہ کہ اس انسان کے اندر جہالت اور لاعلمی پائی جاتی ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو علم و آگہی سے نابلد ہوتا ہے۔ یہ ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اپنے گرد و پیش کا مشاہدہ کرکے معلومات حاصل کرتا ہے۔ بچہ اپنی ماں سے سوال کرتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ زندگی بسر کرنے سے متعلق اُمور اپنے ماں باپ اور اساتذہ سے سیکھتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوسائٹی سے سیکھتا ہے۔ اور ہر وقت اپنے علم میں اضافے کا ضرورت مند رہتا ہے۔ اُسے علم حاصل کرنا ہے۔ معلومات لینی ہیں۔

دوسری کمزوری یہ کہ جب ماں کے پیٹ سے باہر آیا، بچپن گزارا، اس وقت اس کے اندر عملی مہارت نہیں ہوتی۔ عمل بھی سیکھتا ہے۔ جانتا بھی ہے اور اس جاننے کے مطابق عمل بھی کرنا چاہتا ہے۔ عملی مہارت بھی اپنے بڑوں سے سیکھتا ہے۔ عملی طور طریقے ماں باپ، بہن بھائی، عزیز و اقارب، اساتذہ سے حاصل کرتا ہے۔ قرآن نے انھی باتوں کو دو لفظوں میں بیان کردیا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۝ اس کے اندر عملی صلاحیتوں کے حوالے سے کمزوری تھی اور جہالت تھی۔ ظلمتیں تھیں، کام کرنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ علمی طور پر واقفیت نہیں تھی۔ اس علم کی کمی کو دور کرنے اور اس عملی مہارت کو واضح کرنے کے لیے انبیا علیہم السلام پر کتابیں نازل ہوئیں۔ انھی دو کوتاہیوں کو ختم کرنے اور انھی دو دائروں میں انسانیت کو ترقی دینے کے لیے انبیاؑ بھیجے گئے اور ان پر کتابوں کا نزول ہوا۔ چناں چہ قرآن حکیم نے کہا: تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ (تیرے ربّ کا سچا اور عدل و انصاف پر مبنی نظام مکمل ہوا۔)''

انبیا علیہم السلام کی عقلیں تمام انسانوں سے بلند ہیں

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''انسان بچپن سے سیکھنا شروع کرتا ہے اور جیسے جیسے اُس کا ذہنی ارتقا آگے بڑھتا ہے، نئے علمی سوالات اور نئے عملی تقاضے اُس کے سامنے آتے ہیں۔ دو سال کے بچے کا ایک مرحلے کا علم اور عمل یقیناً اُسے اپنے ماں باپ سے حاصل ہوجاتا ہے۔ ایک علم پانچ چھ سال آٹھ سال کے بچے کا ہے، اُس کے اُن علمی تقاضوں اور عملی مہارتوں کے جوابات پرائمری کے استاد سے مل جاتے ہیں۔ مزید آگے بڑھتا ہے تو اُسے اوپر کی کلاسوں، ہائر ایجوکیشن کے ماہر اساتذہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جب یہ علم بھی مکمل ہوتا ہے تو پھر پی ایچ ڈی لیول کے اساتذہ کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔

عملی مہارتوں اور علمی تقاضوں کی تکمیل کا ایک دائرہ ہے۔ آنکھوں سے مشاہدہ کرکے، کانوں سے سن کر، جسم سے محسوس کرکے، ناک سے سونگھ کر، آپ ان چیزوں کو دریافت کرتے ہیں۔ ان کا بھی ایک دائرہ ہے۔ اس دائرے سے آگے نظر کام نہیں کرتی۔ لیکن عقل تقاضا کرتی ہے کہ یہ چیز ہونی چاہیے۔ عقلی سوالات کے عقلی جوابات اور اُن کی علمی اور عملی مہارتیں سیکھتا ہے۔ انسان اشاروں کنایوں، محض چند بنیادی اساسی اُمور کو سامنے رکھ کر بہت سے علمی اور عملی عُقدے حل کرتا ہے۔ پھر عقل بھی ایک دائرے کے باہر کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ انسانی روح اور اس سے متعلق سوالات۔ کائنات اور اُس سے متعلق سوالات۔ ان علمی اور عملی تقاضوں کی تکمیل کے لیے ایک اُس سے بھی بڑے اعلیٰ دماغ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس موقع پر ایسے غیر معمولی انسانوں کی ضرورت پیش آتی ہے کہ جو انسانی عقول اور انسانی اعمال کو مزید آگے بڑھانے کے لیے رہنمائی کا کردار ادا کرتے ہیں کہ عام انسان کی عقل وہاں تک نہیں پہنچتی۔

انبیا علیہم السلام ہی وہ ذواتِ قدسیہ ہیں کہ جن کی عقلیں، جن کے جسمانی تقاضے، جن کی کارکردگی باقی دنیا کے تمام انسانوں سے بہت اعلیٰ ترین درجے کی ہوتی ہیں۔ ان کا مشاہدہ، ان کی قوتِ ادراک، اُن کی سمجھ اور فہم دوسرے انسانوں کی نسبت سے ستر اسّی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ وہ حضرات یہ ادراک کرتے ہیں کہ انسانی عقل کی ترقی کے لیے کون سے اعلیٰ علم کی ضرورت ہے؟ انسانی جسموں کو منظم کرنے اور اُن کے اعمال کو ترقی یافتہ بنانے کے لیے زیادہ بہتر عملی تقاضے کیسے پورے کیے جائیں گے؟

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ فرشتے کس چیز پر جھگڑ رہے ہیں؟'' میں نے کہا: میں نہیں جانتا۔ اللہ نے اپنی تجلی میرے سینے پر ڈالی تو میرے سامنے پوری کائنات روشن ہوگئی کہ اس کائنات میں کیا کیا کام ہورہے ہیں؟ کون کون سے فنکشن ہیں؟ ہر چیز روشن ہوگئی۔ میری نظر نے مشاہدہ کرلیا کہ ملاءِ اعلیٰ اور فرشتے کیا کررہے ہیں؟ انسانیت کے تقاضے کیا ہیں؟ ان مطالبات کو پورا کرنے کے عملی طریقہ ہائے کار کیا ہیں۔ میں نے اس سب کا مشاہدہ کرلیا۔'' (رواہ الترمذی) قرآن حکیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسی مشاہدے کی ترجمانی کرتا ہے۔''

www.rahimia.org

شعور و بصیرت
علومِ نبوت کے مطابق حاصل کرنا اہم فریضہ ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''ارشادِ ربانی ہے: ''کیوں نہیں ان لوگوں نے اپنی ہر ہر برادری اور قوم میں ایک باصلاحیت طبقہ اس کام کے لیے مخصوص کیا کہ وہ دین میں تفقہ، بصیرت اور سمجھ حاصل کریں۔'' (القرآن: 9:122) یہ سب پر لازمی نہیں ہے۔ صرف ایک حصہ، جو ذہین و فطین اور باصلاحیت افراد پر مشتمل ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو دینی سمجھ اور شعور کے لیے وقف کرے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ ہر پچاس میل کے علاقے کی قوم پر — جہاں عموماً ایک زبان، ایک نسل، ایک قوم رہتی ہو — فرض ہے کہ وہ اپنی قوم میں سے کچھ اعلیٰ ترین ذہانتوں اور سمجھ رکھنے والے لوگوں کو دین کے اعلیٰ ترین علم کے لیے مخصوص کریں۔ اگر قوم نے ایسے افراد تیار نہیں کیے تو پوری قوم گناہ گار ہے۔ یہ فرضِ کفایہ ہے۔ گویا علومِ نبوت کے تقاضوں کے مطابق علم و شعور، فہم و بصیرت حاصل کرنا فریضہ ہے۔ اس کے لیے ایک علمی طور پر باشعور اور عملی طور پر منظم جماعت کا ہونا ضروری ہے۔

کیا آج ہم بیس کروڑ لوگوں نے دین اسلام کے غلبے کے لیے اس طرح کی کوئی منصوبہ بندی کی ہے؟ ایسی جماعت تیار کی ہے؟ نہیں! جو کچھ کیا ہے تو زکوٰۃ و صدقات اور خیرات کی بنیاد پر پرائمری سطح کے چھوٹے چھوٹے مدرسے اور مکتب بنا کر ذاتی ضروریات پورا کرنے کا سامان ہے۔ ایسی علمی استعداد کہ علوم القرآن کیا ہیں؟ علوم الحدیث اور علوم الفقہ کیا ہیں؟ اور ان علوم کا انسانی سماج کی بھلائی اور عدل و انصاف کے نظریے اور نظام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں۔ یہ نتیجہ ہے ایک جاہل سوسائٹی پیدا کرنے کا۔ علمی اور شعوری تقاضوں سے دور لایعنی بحثوں میں اُلجھنے کا۔

اسی طریقے سے دوسرا بڑا بنیادی تقاضا اس علم کی اساس پر عملی مہارت حاصل کرنے والی جماعت اور ٹیم پیدا کرنا ہے۔ جیسے ڈاکٹر پڑھ لکھ کر تیار ہو جائے اور صحت کا سسٹم وجود میں نہ لایا جائے تو چند ڈاکٹر بغیر کسی ہیلتھ سسٹم کے قوم کو صحت مند نہیں بنا سکتے۔ اُس کے لیے ایک سسٹم اور عملی نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح جیسے علومِ نبوت کے ٹھوس علمی اور شعوری تقاضے سمجھنا ضروری ہیں، ایسے ہی اس علم کی اساس پر دین اسلام کا عملی نظام قائم کرنے والی ٹیم پیدا کرنے، تنظیم اور اجتماعیت پیدا کرنے کا باقاعدہ نظام بنانا ضروری ہے۔ وہ نظام اُسی طرح انسانوں کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل مذہب کام کرے، جیسے ڈاکٹروں کی ٹیم کرتی ہے۔ جیسے انجینئرز کام کرتے ہیں کہ وہ بلاتفریق نسل مذہب کام کرتے ہیں۔ ایسے ہی ان علومِ نبوت کی اساس پر انسانیت کی فلاح و بہبود کا عملی نظام قائم کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ علومِ نبوت پر مہارت حاصل کر لے اور پھر وہ علومِ نبوت حاصل کرنے والے فرقوں کی بنیاد پر منقسم ہوں، کہ اپنے فرقے کے لوگوں کی بات ہم نے کرنی ہے۔ دوسرے فرقے جائیں جہنم میں۔ انسانیت کا غم، انسانیت کی فلاح و بہبود ان کے پیشِ نظر نہ ہو، تو اس سے بڑی خرابی کی بات اَور کیا ہو سکتی ہے؟''

انسانیت بنیاد ہے اور اس انسانیت کے لیے اسلام ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''آج کا المیہ ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی دو چار فرد علومِ نبوت پر کسی درجے میں عبور بھی رکھتے ہیں تو عملی تقاضوں اور انسانیت کی بنیاد پر ظلمتوں کو دور کرنے کا کردار ادا کرنے کی اہلیت سے محروم ہیں۔ مسلمانوں کا عجیب مزاج بن گیا ہے کہ انسانیت اور اسلام کے درمیان مقابلہ کرتے ہیں کہ فلاں آدمی جو مر گیا ہے، وہ ''انسان دوست'' تھا یا ''اسلام دوست'' تھا۔ نالائقی کی انتہا ہے کہ انسانیت اور اسلام پر بحث ہو رہی ہے۔ کیا اسلام انسانیت کے بغیر خلا میں قائم ہوتا ہے؟ انسانیت بنیاد ہے اور انسانیت کی ترقی کے لیے دین اسلام ہے۔ کیا فرق ہے اسلام میں اور انسانیت میں؟ وہ اسلام جو لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (27:25) کی اساس پر پوری انسانیت کے عدل کے قیام کے لیے آیا ہے، آج اس کے ماننے والوں کے نزدیک انسانیت کا خانہ الگ ہو اور اسلام کا خانہ الگ ہو!! یہ بات کرنے والے دونوں طرف کے مذہبی فرقہ پرست اور سیکولر فرقہ پرست ہیں۔ اس سے زیادہ علمی جہالت اور اس سے زیادہ عملی نالائقی اور کیا ہوگی۔ ہمارا علمی ذوق خراب ہو گیا۔ علم بھی فنا اور عملی صلاحیت بھی فنا۔ بے شعوری سوسائٹی پر طاری ہو گئی۔ اس لیے کہ ہم نے علومِ نبوت کو علمی بنیادوں پر، سائنٹفک انداز میں سمجھنے اور سوسائٹی کو اس کے مطابق بنانے کا طریقہ چھوڑ دیا۔ فرقہ واریت، گروہیت، طبقاتیت، انسان دشمنی ہماری علامتیں بن گئیں۔

پاکستان کے بیس کروڑ لوگوں کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے۔ سات ارب کی انسانی آبادی میں ان ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ قرآن جو اعلیٰ علمی استعداد پیدا کرنے کے لیے آیا ہے، احکاماتِ شریعت جو کل انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے آئے ہیں، آج اُس کا ماننے والا ایسی علمی جہالتوں کا ثبوت دیتا ہے۔ ایسی عملی نالائقی کا کردار ادا کرتا ہے۔

ضرورت ہے کہ قرآن کی روشنی میں اپنی علم و شعور کو بلند کیا جائے۔ جیسے زندگی کے دیگر شعبوں میں ہم علمی مہارتیں حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ علم حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں، ایسے ہی علومِ نبوت اور اس کے عملی تقاضوں کو سمجھنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔ آج یہی دو بنیادی تقاضے پورا کرنا ضروری ہیں۔

مسلمان ہونے کا مطلب یہی ہے کہ علومِ نبوت پر شعوری گرفت، علمی مضبوطی اور عملی استعداد، نظم و ضبط اور ڈسپلن کا اجتماعی نظام، تنظیمی اور اجتماعی طاقت و قوت ہو۔ یہی دو بنیادی تقاضے ہیں۔ جتنی جلد مسلمان قرآن کے ان دو تقاضوں کو سمجھ لیں، اتنی ہی جلد دنیا کی ترقی بھی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ترقی کے لیے دین اسلام کی صورت میں ایک مکمل علمی اور عملی پروگرام دیا ہے۔ اس کو سمجھنا اور اس کے مطابق کردار ادا کرنا آج مسلمان جماعت کا فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین!''

www.rahimia.org

بچوں کا کالم — چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

خوش قسمت بچے

(چوہدری افضل حقؒ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

نورِ چشمی بلقیس بی بی، السلام علیکم

(بقیہ گزشتہ مکتوب)

خوش قسمت ہیں وہ بچے، جو ابتدائے عمر میں اللہ کی عبادت کی طرف رجوع ہو جائیں۔ کیا بتاؤں اللہ کا نام کتنا برکت والا ہے۔ جس دل میں اس کی یاد ہے، وہ دل ہمیشہ سدا بہار پھلواڑی کی طرح شگفتہ رہتا ہے۔ غم کبھی سایہ نہیں ڈالتا۔ ایسے بچے جوان ہو کر کبھی کسی کی بُرائی نہیں سوچتے۔ مصیبت زدہ کو دیکھ کر بے حال ہو جاتے ہیں۔ جس طرح بن سکتا ہے، خدمت کرتے ہیں۔ وہ اَوروں کا دُکھ دُور کرنے کے لیے اپنے اوپر آرام حرام کر لیتے ہیں۔ بُرے کاموں کی طرف رغبت ہی نہیں رہتی۔ یہی جی چاہتا ہے کہ بن پڑے تو کسی کی خدمت ہو جائے۔

نمازیں اس کی قبول سمجھو، جو ہر مصیبت میں خوش رہے اور بھائی بندوں، عزیز ہمسایوں کے حق میں کبھی بُرائی نہ سوچے۔ وہ گھر خوش قسمت ہیں، جہاں بچے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور جوان ہو کر اللہ کی مخلوق کی خدمت کا ارادہ کر کے لیاقت، علم اور صحت حاصل کرتے ہیں۔ اللہ کی یاد سے دل میں اچھے کام کی لگن لگ جاتی ہے۔ فضول بولنے، آوارہ پھرنے اور وقت ضائع کرنے کی بجائے بچوں کا دل یہی چاہتا ہے کہ کب جوان ہو کر نیک کاموں کی توفیق پائیں گے۔ اسی لیے سچی نمازوں سے سچ بولنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ جھوٹ دل سے چھوٹ جاتا ہے۔ (ایسا) بچہ محنت سے جی نہیں چراتا، بلکہ علم اور صحت حاصل کرنے میں مستعد ہو جاتا ہے، تاکہ جب جوان ہو تو علم اور صحت کی بنا پر مخلوق کی جس خدمت کا ارادہ کرے، اس میں کامیاب ہو۔

نماز چوں کہ عربی زبان میں پڑھی جاتی ہے، اس لیے اس کے معنی جاننا ضروری ہیں۔ اب چوں کہ تم نے اردو میں کچھ نہ کچھ لیاقت حاصل کر لی ہے، اس لیے عربی زبان کا تھوڑی سی توجہ سے سمجھنا آسان ہے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ قرآن کی چند سورتیں حفظ کرو اور ہر لفظ کے معنی بھی یاد رکھو۔ اس طرح تمھاری اردو میں لیاقت بھی بڑھ جائے گی اور نمازوں کا لطف بھی دوبالا ہو جائے گا۔

نمازوں کا سمجھ کر پڑھنا بڑی نعمت ہے۔ اس سے دل جلدی روشن ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جب سوجھتی ہے، اچھے کاموں کی سوجھتی ہے۔ بُری باتوں سے دل خود بہ خود نفرت کرنے لگتا ہے۔

تاریخِ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات — مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

اساتذہ کی عزت و تکریم

دینِ اسلام میں استاذ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ حقیقی استاذ وہی ہے، جو اپنے شاگردوں کی جہاں تعلیم میں رہنمائی دے، وہاں اَخلاقی اور نفسیاتی تربیت کا بھی اہتمام کرے۔ اسی لیے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے ایک شہزادہ امیر خسرو کا جب تعلق ہوا تو اس وقت کے بادشاہ نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ سے کہا کہ اس کو اپنے جیسا بنانا چاہتے ہو؟ تو انھوں نے کہا کہ: ''نہیں! بلکہ میں ان کو اپنے سے بہتر بناؤں گا۔'' شاگرد میں علم و شعور اور کمال استاد کی تعظیم سے آتا ہے۔ اسی لیے دورِ عروج کے حکمران اساتذہ کی قدر کی تلقین اپنی اولادوں کو کرتے رہتے تھے۔ درج ذیل واقعہ اسی کا شاہد ہے:

خلیفہ مامون الرشید عباسی کے دو فرزند علم نحو کے بڑے استاذ امام فرّا سے تعلیم پاتے تھے۔ ایک بار وہ کسی کام کے لیے مسندِ درس سے اٹھا۔ دونوں شہزادے دوڑے کہ جوتیاں سیدھی کر کے آگے رکھ دیں۔ مگر چوں کہ دونوں ساتھ پہنچے، اس پر ان میں جھگڑا ہوا کہ یہ شرف کس کو حاصل ہو۔ آخر دونوں نے فیصلہ کر لیا اور ہر ایک نے ایک جوتی سامنے لا کر رکھی۔

مامون نے ایک ایک چیز پر پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے۔ فوراً اطلاع ہوئی اور فرّا کو طلب کیا گیا۔ مامون نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: ''آج دنیا میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ فرّا: امیر المؤمنین سے زیادہ معزز کون ہو سکتا ہے؟ مامون: وہ جس کی جوتیاں سیدھی کرنے پر امیر المؤمنین کے لختِ جگر بھی آپس میں جھگڑا کریں۔ فرّا: میں خود شہزادوں کو روکنا چاہتا تھا، مگر پھر خیال ہوا کہ ان کو اس شرف سے کیوں باز رکھوں! عبداللہ بن عباسؓ نے بھی حسین علیہ السلام کی رکاب تھامی تھی۔ اور جب حاضرین میں سے کسی نے اعتراض کیا کہ آپ تو عمر میں ان سے بہت بڑے ہیں۔ تو انھوں نے ڈانٹا کہ: اے جاہل! چپ رہ! تُو ان کی قدر کیا جان سکتا ہے؟

مامون: اگر تم ان کو روکتے تو میں تم سے نہایت آزردہ ہوتا۔ اس بات نے ان کی عزت کچھ کم نہیں کی، بلکہ نسب کے اصل ہونے کے جوہر دکھائے۔ بادشاہ، باپ، استاد کی اطاعت ذلت میں داخل نہیں ہے۔ یہ کہہ کر لڑکوں کو سعادت مندی اور فرّا کو حسنِ تعلیم کے صلے میں دس دس ہزار درہم عطا کیے۔ (المامون، ص: 88-187)

اس حکایت کے مطالعے سے درج ذیل نتائج حاصل ہوئے:

1۔ اسلامی تاریخ کے عروج کے دور میں بادشاہوں کے ہاں اپنی اولاد کی تربیت کا کس قدر اہتمام تھا کہ ماہر اساتذہ مقرر کیے جاتے۔

2۔ وہ اساتذہ نہ صرف ان کو علم و ہنر سکھاتے، بلکہ ادب کے عظیم وصف سے بھی متصف کرتے۔

3۔ استاذ کی جوتیاں اٹھانے پر صاحبزادوں کا جھگڑنا اور مامون الرشید کا اس پر خوش ہو کر انعام دینا ان کے ہاں استاذ کے اعلیٰ مرتبے کو ظاہر کرتا ہے۔

4۔ اساتذہ اس اعلیٰ قدر کے صحابہؓ کے اسوہ کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔ بادشاہوں کی علم و علما کی قدردانی کی وجہ سے ہی ایک ہزار سال سے زیادہ معاشرے میں اَخلاق کا غلبہ رہا۔

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

وسیم اعجاز، کراچی

برِعظیم پاک و ہند کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ یہاں اولیاء اللہ کی جدوجہد کی وجہ سے دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوا۔ خاص طور پر جدوجہدِ آزادی کے تناظر میں انھی اولیاء اللہ کے قائم کیے ہوئے مراکز نے کلیدی کردار ادا کیا۔ انھی مراکز میں ایک اہم ترین مرکز خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے وصال بعد ان کے فکر و عمل کے سچے وارث اور جانشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے اس کردار کو بہ خوبی نبھایا۔

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی ولادت سرگودھا کے قریب ایک گاؤں ''ڈھڈیاں'' میں 1290ھ/ 1873ء میں ہوئی۔ ان کے والد حافظ احمدؒ نے ان کا نام ''غلام جیلانی'' رکھا۔ جب رائے پور حاضر ہوئے تو حضرت اقدس عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے ارشاد فرمایا کہ: ''آپ تو عبدالقادر ہیں۔'' اس وقت سے ان کا نام ''عبدالقادر'' ہوگیا۔ ابتدائی تعلیم قصبہ جھاوریاں میں حاصل کی اور پھر پانی پت، دہلی، رام پور اور دیگر مقامات پر تعلیم کے حصول کے لیے اسفار کیے۔ ظاہری تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے تربیتِ باطنی حاصل کی اور ان کے خلیفہ اور جانشین بنے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ایسے دور میں ولی اللّٰہی تحریک کے فکر و عمل کو فروغ دینے کی ذمہ داری سنبھالی، جب قومی سوچ رکھنے والے رہنماؤں کے لیے کام کرنا انتہائی مشکل بنا دیا گیا تھا۔ انھوں نے خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے معروف علمی مراکز دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہرالعلوم کی نگرانی، رہنمائی اور سرپرستی بھی فرمائی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا حضرت اقدس رائے پوریؒ سے تعلق کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مدرسہ مظاہرالعلوم سہارن پور کے ہر اہم معاملے میں رائے پور کا مشورہ بڑا اہم ہوتا تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ جنھوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے تربیت حاصل کی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ہاتھ پر نہ صرف بیعتِ جہاد کی، بلکہ تحریک ریشمی رومال میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ مل کر کام کیا۔ ان کا معمول تھا کہ اکثر رائے پور تشریف لایا کرتے تھے اور اپنے تمام متعلقین کو حکم دیتے تھے کہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی صحبت سے مستفید ہوا کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس رائے پوریؒ کی طرف لوگوں کا رجوع کثرت سے تھا۔ ان کی صحبت کی تاثیر سے خاص و عام ان کی جانب متوجہ رہتے تھے۔ مختلف ذوق کے علما، سیاسی رہنما، قومی کارکن، اہلِ مدارس، جدید تعلیم یافتہ اور فضلا اپنی اصلاح و تربیت کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

عوام و خواص کو دین کے صحیح فکر سے روشناس کرانے اور اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لیے حضرت اقدس رائے پوریؒ نے ملک بھر کے دورے کیے۔ جالندھر، انبالہ، لدھیانہ، کرنال، فیروز پور کے علاوہ سہارن پور، دہلی، بریلی، رام پور، مرادآباد کے دورے مسلسل ہوتے رہتے تھے۔ لاہور، ملتان، بہاول نگر، سرگودھا، فیصل آباد، راولپنڈی وغیرہ جہاں پر بھی ان کا قیام ہوتا' اہل تعلق ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی تربیت کرواتے تھے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے سیاسی فکر و عمل میں اپنے شیخ قطب العالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی ہدایت کے مطابق ان تمام قومی تحریکات سے وابستہ رہے، جو ان اکابرین کی جانب سے ملک و قوم کی آزادی کی خاطر برپا کی گئی تھیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جب مالٹا کی جیل سے واپس آئے تو تحریکِ خلافت پورے زوروں پر تھی۔ اس دوران حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ان تحریکات میں بھرپور حصہ لیا اور حضرت شیخ الہندؒ کی رہنمائی میں کام کیا۔ جب مجلسِ احرار قائم کی گئی تو اس وقت حضرتؒ کے تربیت یافتہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اس جماعت کے روحِ رواں بنے۔ اس پوری تحریک کا سیاسی دماغ وہی تھے۔ چوہدری افضل حق مرحوم کی سیاسی ذہانت اور مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے جوشِ خطابت اور سحر بیانی میں جو سیاسی اور دینی روح کارفرما تھی، وہ دراصل حضرت رائے پوریؒ کی بدولت ہی تھی۔ جہاں کہیں اَحرار کو غلط سمت میں اُلجھانے کی کوشش کی گئی، حضرت رائے پوریؒ نے فوراً خبردار کر کے سیاسی قبلہ درست فرما دیا۔

اس دور میں جمعیت علمائے ہند کے کردار کو کسی صورت فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جمعیت کے تمام اکابرین مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا سیّد محمد میاںؒ اور بالخصوص شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ اکثر رائے پور تشریف لاتے تھے اور حضرت رائے پوریؒ سے ہر اہم معاملے میں مشاورت ہوتی تھی۔ حضرت رائے پوریؒ اپنے متعلقین کو حضرت مدنیؒ کے ساتھ مل کر کام کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ 1946ء کے ہنگامہ خیز الیکشن کے دور میں انھوں نے حضرت مدنیؒ کی مکمل حمایت کا اعلان فرمایا تھا۔ حزب الانصار رائے پور کے قائدین، کارکنوں اور مخلص رہنماؤں کی رہنمائی فرماتے رہے۔ انھوں نے ہمیشہ دینی اصولوں پر سیاسی نظام کو قائم کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ تمام عمر حریت پسند علمائے ربانیین کی تحریکات اور تنظیموں کی سرپرستی فرمائی۔ حضرت رائے پوریؒ خاص طور پر تعلیم یافتہ نوجوانوں کے سامنے یہ بات واضح کیا کرتے تھے کہ موجودہ دور میں نئے علوم کا حاصل کرنا، جدید صنعتی ترقیات سے فائدہ اٹھانا، سائنس میں ترقی، معاشی استحکام اور خود کفالتی کا نظام قائم کرنا بہت ضروری ہے۔ ملکی ترقی، دین کے اعلیٰ شعور اور عملی منظّم جماعت کے بغیر ممکن نہیں۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ 8/ جون 1955ء کو منصوری میں قیام کے دوران بیماری میں مبتلا ہوئے۔ سات سال تک علالت کی حالت میں رہے۔ 17/ جولائی 1962ء میں مرض کی شدت میں اضافہ شروع ہوا۔ 15/ ربیع الاوّل 1382ھ/ 16/ اگست 1962ء بروز جمعرات کو لاہور میں اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اکابرین رائے پور کے مشن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

www.rahimia.org

انیس احمد سجاد، لاہور

ادارہ رحیمیہ میں دورۂ تفسیر اور اجتماعِ رمضان کی ایک جھلک

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مسند نشین حضرات کی تسلسل کے ساتھ یہ روایت رہی ہے کہ رمضان المبارک کا مکمل قیام کسی ایک جگہ پر ہی کیا جائے، تاکہ سلسلے سے وابستہ احباب کو ایسا اجتماعی ماحول ملے، جس میں دین کی بنیادی تعلیمات کو سیکھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے آداب کی تربیت ہوجائے۔ اس سال بھی رمضان المبارک 1437ھ میں موجودہ مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور حضرت مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مع اپنے احباب کے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں قیام فرمایا۔

رمضان المبارک کے دوران دن کا آغاز درسِ حدیث سے ہوتا تھا، جس میں بطورِ خاص یہ پہلو پیشِ نظر رکھا جاتا رہا کہ احادیثِ نبویہ ﷺ مہذب معاشرے کی تشکیل لیے افراد پر کیا ذمہ داریاں عائد کرتی ہیں۔ نیز ایک فرد کے اجتماعی رویے اور اس کے حقوق و فرائض کیا ہیں۔ درسِ حدیث کے بعد قرآنی آیات کی روشنی میں موضوعات کا انتخاب کر کے ان پر باہمی تبادلہ خیالات، لیکچرز اور پینل مذاکرہ جات کیے جاتے رہے۔ کہ جن کے ذریعے ہم اپنے آج کا جائزہ لے کر اپنے کل کے لیے رہنمائی لے سکیں۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف حجۃ اللہ البالغہ پر لیکچر اور درس ہوتا رہا۔ اس کتاب میں دین نے انسانی سماج کے لیے جو سسٹم تشکیل دیا ہے، اس کا فکر و فلسفہ اور نظریہ بیان کیا گیا۔ نیز شریعت کے اسرار و رموز اور دین کے احکامات کے پیچھے کارفرما حکمت بیان کی گئی۔ اس نشست میں حضرات علمائے کرام، پروفیسر حضرات، ڈاکٹرز، وکلا، انجینئرز اور پڑھا لکھا طبقہ خصوصیت سے شریک ہوتا رہا۔ اور دین اسلام کے نظام کے بنیادی فکر اور ڈھانچے کو سمجھنے اور سمجھنے کی کوشش اور کاوش کرتا رہا۔

اللہ نے انسان کو اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا اور انسانی دل کو اپنی یاد کے لیے مخصوص کرلیا۔ انسانی دل کو معرفتِ الٰہی سے یکسو کرنے کے لیے عصر کی نماز کے بعد ذکراللہ کی مجلس منعقد ہوتی رہی۔ جب کہ نمازِ مغرب سے قبل انسانی قلب اور روح کو مضبوط اور توانا کرنے کے لیے اس شعبے کے ماہر طبیب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی کتاب "امداد السلوک" پڑھ کر سنائی جاتی رہی اور حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ اس کی تشریح فرماتے رہے۔

نماز تراویح کے بعد حضرت مفتی عبدالمتین نعمانی مدظلہٗ نے تراویح میں پڑھے گئے پارے کا خلاصہ بیان کیا۔ ان تمام مصروفیتوں اور معمولات کے دوران حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے خصوصی احباب مولانا مفتی عبدالقدیر، مولانا مفتی مختار حسن، مولانا ڈاکٹر محمد ناصر عبدالعزیز، مولانا ڈاکٹر تاج افسر، مولانا پروفیسر قاضی محمد یوسف مدفیوضہم سے بھی احباب استفادہ کرتے رہے ہیں۔ احباب کو اس کے علاوہ حضرت مفتی ڈاکٹر سعید الرحمٰن کی خصوصی رہنمائی بھی میسر رہی۔ اس طرح سے رمضان المبارک ہم سے اس امید اور توقع کے ساتھ رُخصت ہوا کہ ہم بقیہ سارا سال دین کا اعلیٰ فہم و شعور پیدا کرنے کی اپنی کاوشوں کو حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ کی رہنمائی میں جاری و ساری رکھیں گے۔

بقیہ حج کی حقیقت اور اس کے بنیادی اساسی اصول

(4۔ عدالت کی اساس پر دین کے بین الاقوامی غلبے کا اظہار): جیسا کہ قومی سطح کی ہر حکومت اور سلطنت کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک مقررہ مدت کے بعد (آزادی کے حوالے سے) اپنا ایک اجتماعِ عام منعقد کرے۔ تاکہ:

(1) حکومت کے وفادار اور اس سے خیانت کرنے والوں کے درمیان امتیاز پیدا ہوجائے۔ یہ پتا چل جائے کہ لوگوں میں سے کون مخلص اور تابع دار ہے۔ اور کون سرکش اور مخالف ہے؟

(2) اس سے حکومت اور سلطنت کی شہرت ہوجائے۔ اس کا غلبہ اور بول بالا ہوجائے۔

(3) اس موقع پر ملک کے لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے کا تعارف بھی ہوجائے۔

اسی طرح بین الاقوامی سطح پر ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ کو بھی حج کی صورت میں ایک اجتماعِ عام کی ضرورت ہے۔ تاکہ:

(1) ملتِ (اسلامیہ) کے مخلص اور (ملت کے) منافق کے درمیان امتیاز ہوجائے۔

(2) لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے کا (بین الاقوامی) مظاہرہ دیکھیں۔

(3) ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ کے لوگ ایک دوسرے سے ملاقات کرسکیں۔ چناں چہ ہر آدمی دوسرے سے وہ (علوم و افکار اور سیرت و کردار) حاصل کرے، جو اس کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے کہ کچھ عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے اور باہم ملاقات کرنے سے ایک دوسرے کی عمدہ اور مرغوب چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔

(حج سے نفسِ انسانی کی تہذیب کے درجِ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:)

(1) جب حج کے ذریعے سے (انسانی تہذیب کے مذکورہ بالا چار اَخلاق کے) طے شدہ نظام اور طریقۂ کار کو شہرت دے دی جائے، تو شرّ و فساد پیدا کرنے والے نظام اور رسومات سے بچنے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(2) ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ کے اماموں (حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک) کے حالاتِ زندگی اور ان کی جد و جہد اور کوشش کو سمجھنے اور ان سے پوری طرح نصیحت حاصل کرنے میں حج سے بڑھ کر کوئی اور عمل نہیں ہے۔ اس طرح اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کا جذبہ اُبھرتا ہے۔

(3) حج میں چوں کہ دور دراز کا لمبا سفر کرنا پڑتا ہے، اور مشقت کے بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں۔ نفسِ انسانی کو بہت زیادہ مشقت اُٹھائے بغیر یہ کام مکمل نہیں ہوتا۔ اس لیے حج اللہ کے ساتھ پُرخلوص تعلق قائم کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جس طرح ایمان قبول کرنے سے زندگی کی گزشتہ تمام برائیاں اور گناہ مٹ جاتے ہیں، اسی طرح حج بھی گزشتہ گناہوں کو مٹا دینے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔

(حُجّة اللّٰه البالغه، مبحث البرّ و الإثم، باب أسرار الحجّ
جلد1، ص23-221، طبع دیوبند)

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

تبصرکلمات — امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' کی اہمیت

(مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی تصنیف ''اسلام کا اقتصادی نظام'' پر حضرت سندھیؒ کی رائے گرامی)

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ. أمّا بعد!

میں نے یورپ کی سیاست کے زمانے میں کئی نئی اقتصادی تحریکوں کا مطالعہ کیا۔ ان تحریکوں کے بعض حصے اسلامی تعلیمات کے مطابق تھے، بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات ہی سے ماخوذ ہیں۔ لیکن بعض حصے ایسے بھی شامل تھے، جو تمام ادیانِ عالم کے یکساں خلاف ہیں اور ان تحریکوں کے مالک ان کے حذف کرنے پر راضی نہیں۔ اس میں ذرہ بھر کسی قسم کا مبالغہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر کہا جائے کہ ان تحریکوں کے چلانے والے اپنے مصالح کا لحاظ مدِنظر رکھ کر اس لادینی حصے پر خصوصیت سے زور دیتے ہیں اور اس کے حذف پر کسی طرح بھی راضی نہیں ہوتے۔

میں جس قدر اسلامی ممالک کی مختلف اقوام (ترک، عرب، ایرانی اور افغانی وغیرہ) کے مفکرین سے مل سکا، انھیں اقتصادی نظام کی تفتیش میں غیر مطمئن حالت میں پایا۔ میں اگرچہ حُجّۃ اللّٰہ البالغہ مصنفہ حکیم الہند الامام ولی اللہ الدہلویؒ کے اصول پر بعض مشکلات کا حل پیش کرتا ہوں، لیکن میں اپنا فکر کتابی شکل میں مدوّن نہیں کرسکا۔

میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظِ علمیہ نہیں پاتا کہ آج بحمد اللہ اس کے لطف وکرم سے اردو میں ایک مطبوعہ رسالہ جس کا نام ہے ''اسلام کا اقتصادی نظام'' مطالعے کے لیے ملا اور مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہ دقیق النظر اور بدیع الاسلوب (گہری نظر اور عمدہ اُسلوب کا) رسالہ ان تمام سوالات کا شافی وکافی جواب دیتا ہے، جو ایک ترقی پسند مسلمان کو پریشان کر رہے ہیں۔

اگرچہ میرا فکر بینک کے معاملات میں مصنف کے بعض افکار سے فی الجملہ مختلف ہے، لیکن اس ایک معمولی استثنا کے بعد اس تمام تحریر کو اطمینان بخش سمجھتا ہوں اور ان کی آرا کو احترام سے دیکھتا ہوں۔ اور میں اس تصنیف کی اہمیت اس قدر مانتا ہوں کہ اس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں جلدی اور ضروری ہونا چاہیے۔

اور چوں کہ مصنف مولانا حفظ الرحمٰن سلّمہ اللّٰہ و أوصلہ إلیٰ أکمل الکمالات (اللہ انھیں اعلیٰ کمالات تک پہنچائے) میرے اساتذۂ کرام کے دیوبندی سلسلے میں منسلک ایک نوجوان مفکر ہے، اس لیے میں اس کتاب پر فخر محسوس کرتا ہوں۔

اس مشکل فن میں مصنف کی یہ پہلی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے صحت کے ساتھ طویل عمر دے، تاکہ وہ اپنے افکار کو ذروہ عالیہ (بلند درجات) تک پہنچائے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو اپنے مطالعے کی وسعت سے اس کے آئندہ ایڈیشن زیادہ مکمل صورت میں تیار کرلیں گے۔ فقط واللہ ہوالموفق۔ عبیداللّٰہ السّندی الدّیوبندی۔ سابق ناظم جمعیت الانصار دیوبند، ونظارۃ المعارف دہلی۔ جامعہ ملیہ، دہلی، ۲۳ر اکتوبر ۹۳۹ ہندی۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک شخص نے رمضان المبارک کا روزہ رکھا۔ دوپہر کے وقت تکلیف کے سبب سے اس کی حالت بہت خراب ہوگئی۔ اس وجہ سے اس کو روزہ توڑنا پڑا۔ کیا اب اس کے ذمے صرف قضا آئے گی یا کفارہ بھی؟ ایاز احمد، لاڑکانہ

جواب اس شخص کے ذمے صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

سوال ایک بچہ صاحب نصاب تھا۔ اس نے بچپن میں اپنے والدین کے ہمراہ فریضہ حج ادا کیا۔ بالغ ہونے کے بعد کیا وہ دوبارہ فریضہ حج ادا کرے گا یا پہلا کفایت کرجائے گا؟

جواب بلوغت سے پہلے اگر کسی نے حج کیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر وہ مال دار ہے تو بلوغت کے بعد حج کرنا فرض ہے۔ جو حج بچپن میں کیا ہے، وہ نفل شمار ہوگا۔

سوال ایک شخص کے پاس اتنا مال ہے کہ اس پر حج فرض ہوگیا، لیکن ذاتی مصروفیت کی وجہ سے وہ حج کی ادائیگی نہ کرسکا۔ پھر وہ مالی اعتبار سے کمزور اور مقروض ہوگیا۔ کیا اب فریضہ حج اس کے ذمے واجب ہے یا ساقط ہوگیا؟ محمد طفیل، بہاول نگر

جواب اس شخص کے ذمے حج کی ادائیگی باقی رہے گی۔ اس کو اس کی کوشش ضرور کرتے رہنا چاہیے۔

سوال ایک عورت حج کے لیے جانا چاہتی ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم موجود نہیں ہے۔ تو کیا وہ اپنے علاقے کی دوسری عورتوں کے ساتھ سفرِ حج کرسکتی ہے یا نہیں؟ سلیم خان، پشاور

جواب عورت کے لیے سفرِ حج میں محرم کا ہونا شرط ہے۔ اگر اس کا کوئی محرم موجود نہیں ہے یا اس کے ساتھ جانے کو تیار نہ ہو تو اس پر حج کرنا واجب نہیں۔ اگر وہ حج نہ کرسکی تو اس کو حج کی وصیت کرنی واجب ہے۔ اور اگر وہ غیر محرم کے ساتھ حج کو چلی گئی تو اس کا حج تو ادا ہوجائے گا، لیکن گناہ گار ہوگی۔

سوال سفرِ حج میں کیا نیت کی جائے؟ کیا تجارت کی نیت بھی کی جاسکتی ہے؟ شکور احمد، راولپنڈی

جواب اس مبارک سفر میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور فریضہ حج کی ادائیگی کی نیت ہونی چاہیے۔ نیت کی خرابی سے نیک سے نیک عمل بھی ضائع ہوجاتا ہے۔ حج میں تجارت کرنا گو جائز ہے، لیکن اس کی نیت نہ کی جائے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں سے مال دار لوگ صرف سیر وسیاحت اور تفریح کے لیے حج کریں گے۔ متوسط طبقے کے لوگ تجارت کے لیے، فقرا مانگنے کے لیے اور قرا وعلما نام ونمود اور شہرت حاصل کے لیے حج کریں گے۔''

(کَنزُ العُمّال، ج:2، ص:26)

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔